مشـــارق الأنــوار کا یہ پہلا ترجمہ ہے،اورمترجم مولانا خرم علی بلہوری ہیں۔مولانا خرم کا شمار علمائے فحول میں ہوتا ہے۔آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادگان عالی مقام سے کی،پھر امیر المؤمنین سید احمد شہید بریلوی کی بیعت ہوئے اوران کی معیت میں کافی عرصہ رہے۔جنگ بالاکوٹ اور حضرت سید احمد کی شہادت سے پہلے واپس اپنے وطن بلہور چلے گئے۔

مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:''کتب حدیث میں سب سے پہلا اردو ترجمہ''تـحـفـة الأخيـار ''ہے۔اس کے بعد نواب قطب الدین خان دہلوی نے مشـکـوٰة الـمـصـابیـح کا اردو ترجمہ وشرح بنام مـظـاھـر حق کیا۔(مظاہر حق اصلاً شاہ محمد اسحاق دہلوی (ت ۱۲۶۲ھ) کا تھا۔نواب صاحب نے بأدنیٰ تغیر مہذب بنایا اوراس کا اعتراف بھی کیا۔) مولانا خرم علی کی وفات کے بعد تین سال تک متواتر تین مرتبہ طبع ہوا،جس سے اس کی مقبولیت ظاہر ہوتی ہے۔[مـعـارف اعـظـم گڑھ دسمبر ۱۹٤۷ء ص٤٤۷،تذکرة المحدثين ۳/ ٦٠]

مولانا عبدالحلیم چشتی مرحوم ومغفور نے بھی اردو میں حدیث کا پہلا ترجمہ تحفۃ الاخیار کو بتایا ہے۔[معارف اعظم گڑھ جون ۱۹۵۷ء ص۴۴۴،تذکرۃ المحدثین ۳/۶۰] مولانا خرم علی نے مشارق الانوار کا ترجمہ ۱۲۴۹ھ بمطابق ۱۸۳۳ء میں مکمل کیا اوراس کا پہلا ایڈیشن ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں مطبع محمدی لکھنؤ باہتمام محمد حسین چھپا۔اب تک اس کے (۱۶) ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔آخری ایڈیشن میر محمد تاجران وناشران کتب کراچی نے ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں شائع کیا۔

تین حقوق

میمون بن مہران کہتے ہیں: اسلام نے تین حقوق ایسے دیے ہیں،جو تمام کائنات کے لیے یکساں ہیں،یعنی وہ حقوق مسلمان اور کافر دونوں کو حاصل ہیں:

۱۔ ہر حال میں امانت ادا کی جائے،خواہ امانت رکھوانے والا مسلمان ہو یا کافر۔

۲۔ والدین کی عزت وتکریم کی جائے،خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔

۳۔ وعدہ ہر حال میں پورا کیا جائے،خواہ وہ کافر سے کیا ہو یا مسلمان سے۔[سنہرے اوراق ص:۳۷۳]

انتخاب: طالبہ/ جویریہ بنت محمد حسین سلفی

سوانح علمائے اہلحدیث

الشیخ عبدالسلام ظفرؔ بن عبدالرحیمؒ

حیات ۔ خدمات ۔ اوصاف

عبدالرحیم روزی

سلسلہ نسب: عبدالسلام بن عبدالرحیم بن محمد جان بن سلطان علی۔

کنیت: ابواُسید، لقب وتخلص: ظفر، خاندان: ڈقپہ، بیانگبو، محلّہ: گربی کھور، موضع: غواڑی ہے۔

آپ کے دادا کے تین بھائی: سودے، محمد حسن اور غلام حیدر تھے۔ اول الذکر کے دو بیٹے تھے: ابراہیم واسماعیل۔ ان دونوں کی بکثرت اولاد موجود ہیں۔ دوسرے بھائی محمد حسن کا ایک بیٹا عبدالرحیم تھا۔ تیسرے بھائی غلام حیدر کا بیٹا عبدالسلام تھا، جن کا بیٹا عبدالرحمن عرف مالی صاحب مقیم کراچی ہے۔ مولانا ظفرؔ صاحب کے خاندان میں عبدالرحیم اور عبدالسلام کے نام بار بار ملتے ہیں۔ چنانچہ مولانا ظفرؔ کے والد اور ان کے چچازاد دونوں کا نام عبدالرحیم تھا۔

مولانا عبدالسلام ظفرؔ اپنے تعلیمی دستاویزات کے مطابق ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ جلد ہی یتیمی کی کڑوی گولی نگلنی پڑی۔ اور پرورش ونگہداشت کا بارگراں والدہ مرحومہ پر آن پڑی۔ جو اس سے پہلے بھی بیوگی کا صدمہ اور یتیم بیٹے ابراہیم کی نگہداشت کا بوجھ سہار چکی تھی۔

تعلیم وتربیت: مولانا نے ابتدائی فارسی ادب وگرائمر دارالعلوم غواڑی سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں "جامعہ سلفیہ فیصل آباد" جاکر پڑھا، جہاں سے ۱۹۷۷ء میں واپس آکر مادرعلمی دارالعلوم میں پڑھنے لگا۔ یہاں ایک سال جمعیت طلباء کا امیر بھی رہا۔ ایک دفعہ آپ نے "**پرندے کی فریاد**" سنائی، رس گھولتی ہوئی آواز میں یہ نظم اب بھی راقم کے دل ودماغ میں ہلچل مچارہی ہے۔

دارالعلوم سے ۱۹۸۰ء/ ۱۴۰۰ھ میں بتقدیر "جید جداً" فارغ ہوئے۔ اس وقت مدینہ یونیورسٹی سے دارالعلوم کا رسمی تعلق قائم ہوچکا تھا۔ چنانچہ قسمت نے یاوری کی اور مدینۃ الرسول کے اس مرکز علمی میں ۱۹۸۱ء میں داخلہ ملا۔ جہاں مرحلہ ثانویہ سے ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۸۸ء میں فارغ ہوئے پھر کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں بتقدیر "جید" فارغ ہوئے۔

اساتذہ کرام: مرکزی دارالعلوم بلتستان میں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی عبدالقادر ابراہیم یوگوی، ڈاکٹر عاصم

عبداللہ قریوتی اردنی، مولانا محمد یونس بن اسماعیل گینتھاوی، مولانا محمد حسن اثری، مولانا عبدالقادر رحمانی، مولانا عبدالرشید ندوی وغیرہ تھے۔ جامعہ سلفیہ میں شیخ الحدیث محمد صدیق، مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا قدرت اللہ فوق، مولانا سید عبدالشکور، مولانا عبدالقادر حسن، مولانا احمد اللہ، مولانا عبدالوھاب حنیف اور مولانا محمد حسن راشد تھے۔ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں شیخ صالح عبود وغیرہ تھے۔

آپ مدینہ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے کہ آپ کی واحد سہارا والدہ ماجدہ بھی داغ مفارقت دے گئی۔ مولانا نے اسی روز والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کیا۔

شادی: آپ نے ۱۹۷۵ء میں ایک شادی کی۔ مگر صرف والدہ کے ایماء پر طلاق دی۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں مولانا عبدالرحمٰن خلیق کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج کی لڑی میں منسلک ہوگئے۔ یہ شادی اس پہلو سے ایک ریکارڈ ہے کہ موضع غواڑی میں برات کی روانگی رات کے بجائے دن کو شروع ہوئی۔ اور یہ رواج دھیرے دھیرے پورے موضع غواڑی میں جاری ہوا، جس سے معاشرے کو بعض معاشرتی اور اخلاقی برائیوں سے بچنے میں بڑی مدد ملی۔ اس طرح حدیث نبوی ''من سن في الاسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها..... '' [صحیح مسلم] کے مطابق اس کارِ خیر کا سنگ بنیاد رکھنے کا کریڈٹ مولانا مرحوم کو ملا۔

خدمات وآثار: ۱۔ مولانا ظفر صاحب مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد مرکزی دارالعلوم میں بطور مدرس ومعلم پڑھانے لگے۔ آپ طلباء اور اساتذہ دونوں میں یکساں طور پر مقبول اور پسندیدہ تھے۔ حدیث، تاریخ وسیرت، نحو اور بلاغت ومعانی کے مضامین پڑھاتے تھے۔

۲۔ جامع مسجد گربی کھور میں اذان وخطابت کے اعمال بھی سنبھال لیے، بلا کسی تقرری کے آپ جامع مسجد ہذا کے خادم ومجاور مقرر ہوئے۔ آپ اور اس ڈیوٹی میں تعلق چولی دامن کا تھا۔ ہر وقت مسجد میں آتے جاتے دیکھا جاتا، اس کے املاک کی خوب حفاظت کرتے۔ حدیث نبوی ''سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله ...... '' [متفق علیه] میں مذکور ایک خوش نصیب فرد ''ورجل قلبه معلق بالمسجد '' کے مکمل مصداق تھے۔ اب یہ ذمہ داری مولانا شریف بشیر فاضل مدینہ یونیورسٹی ومدرس جامعہ دارالعلوم نے سنبھال لی ہے۔ تقبل الله مساعيهم

۳۔ جمعیت اہلحدیث بلتستان اور جمعیت طلباء کے دعوتی پروگراموں میں حصہ لیتے تھے۔ مختلف مواقع پر اپنے مخصوص

لب و لہجے میں سامعین کو محظوظ کرتے۔

اوصاف وخصائل: ہمارے ممدوح گوناگوں صفات وخصائل سے متصف تھے۔ جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ **سیرت نبوی، صحابہ کرام اور فاتحین اسلام سے غیر معمولی شغف:** موصوف کے خطبوں اور علمی مجلسوں میں سیرت الرسول ﷺ، سیرت صحابہ کرام اور سیرت فاتحین اسلام کا تذکرہ ہوتا تھا۔ فتوحات شام وعراق کے کرداروں بالخصوص خالد بن الولید سیف اللہ، مثنیٰ بن حارثہ شیبانی، قعقاع بن عمرو تمیمی، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، یزید بن ابی سفیان، نعمان بن مقرن وغیرہ جرنیل صحابہ کے علاوہ جنرل ضیاء الحق شہید، جنرل اختر عبد الرحمٰن شہید اور جنرل حمید گل صاحب کے کارنامے زبان پر جاری رہتے تھے اور ان کی جرأت مندانہ کارروائیوں کا تذکرہ کر کے عظمتِ رفتہ کی یاد تازہ کرتے تھے۔

۲۔ **اخلاق حسنہ اور زہد وقناعت:** قول وعمل میں یکسانیت تھی۔ تضاداتِ علم وعمل کا شکار نہ تھے۔ موصوف ہر ایک سے ہنس مکھ کے ساتھ ملتے اور اپنے عالی اقدار کے گہرے اثرات ونقوش چھوڑ دیتے۔ زہد وقناعت، خودی اور صبر وشکر میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ اگر کوئی کسی حوالے سے شکوہ ونالہ کرتا تو انبیاء کرام اور اسلاف کے سنہرے اوراق سے کوئی ایمان افروز واقعہ سنا کر مطمئن کر دیتے۔ آپ میں واقعات واحوال سے نتیجہ اخذ کرنے صلاحیت بطریق اتم موجود تھی۔ بالفاظِ دیگر آپ جب کوئی واقعہ سنتے یا مشاہدہ کرتے تو اس سے درس وعبرت حاصل کرتے۔ غواڑی میں بجلی میسر نہ ہونے پر آپ اللہ کا شکر ادا کرتے کہ فتنے کی ایک جڑ سے محفوظ ہیں۔

طویل وصبر آزما علاج کے دوران بھی اگر حسرت کی تو صرف یہی کہ اہلیہ سمیت حج پر جانے کے لیے ایک ایک روپیہ بچا کر جو رقم اکٹھے کی تھی، علاج کی نذر ہوگئی۔'' قدر اللہ وما شاء فعل''

۳۔ **سحر آفرینی وشستہ بیانی:** آپ سحر آفرینی اور شستہ بیانی میں معروف تھے۔ خطابات ہوں یا عام گفتگو، اپنا مدّعا اپنے مخصوص نرم انداز میں بیان کرتے تھے۔ سامعین کو مائل کرنے کا گر خوب جانتے تھے۔ بحثیت خطیب وواعظ عوام کے دلوں میں آپ گھر کر چکے تھے۔

۴۔ **بذلہ سنجی وکشادہ دلی:** آپ کو بذلہ سنجی اور ظرافت طبع سے حظ وافر ملا ہوا تھا۔ موقع بموقع آپ کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھتی اور اپنی ظریفانہ باتوں سے مجلس کو کشت زعفران بناتے۔ مگر یہ ظریفانہ باتیں بالخصوص ایسے لوگوں پر تیر ونشتر کا کام کرتیں جو مزاحیہ باتوں کی تہ میں چوٹ کرنے کی کوشش کرتے۔ جس سے فریق ثانی جھینپ کر رہ جاتا۔ لیکن جب دوستوں کا

معاملہ ہوتا تو آپ کا مذاق طنز کے عنصر سے بالکل پاک ہوتا۔ بندہ نے آپ کے مزاحیہ اور ظریفانہ کلام میں کبھی لچر پن اور سوقیانہ انداز نہیں دیکھا۔

۵۔ **حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر:** مولانا پر خبریں سننے اور اخبار پڑھنے کا شوق غالب تھا۔ آپ کوئی سیاسی شخصیت نہ تھے، مگر سیاست اور حالاتِ حاضرہ پر متوازن سنجیدہ تبصرہ و تجزیہ کرتے۔ آپ کے تبصرے و تجزیے پر کوئی نکیر نہ کی جاتی۔ دراصل ایک عالم دین کو گردوپیش سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ اس کا تخیل بلند، نگاہ وسیع، افکار تعمیری، مشاہدات دروس وعبر کا نچوڑ اور گفتگو اصلاحی ہونی چاہیے۔ کیونکہ عالم دین کی ذمہ داریاں بے پناہ، اس کے آفاق غیر محدود اور جولانگاہ بے کراں ہیں۔ لہٰذا اسے کبھی ستانے کی فرصت نہیں ملنی چاہیے۔

۶۔ **دینی تعلق داری کا غیر معمولی اہتمام واعتناء:** مولانا کی والدہ ماجدہ نے دو طالب علموں کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے گھر میں رکھا اور بیٹا بنا لیا۔ پہلا مولانا عبدالرشید صدیقی مرحوم ہے۔ جن کا تذکرہ خیر [التراث شمارہ ۳۴] میں گزر چکا ہے۔ مولانا صدیقی مرحوم نے تادم حیات اس رشتے کو قائم رکھا۔ یہ رشتہ اس وقت اور مضبوط ہوا جب آپ نے ظفر صاحب کی ایک بیٹی کو بہو بنا لی۔ دوسرا مولانا شرف الدین عبداللہ یوگوی حفظہ اللہ ہے۔

مولانا ظفر کی والدہ نے صدیقی مرحوم کے بعد مولانا شرف الدین عبداللہ یوگوی کو طالب علمی کے وقت ۱۹۶۸ء میں گھر رکھ لیا۔ مولانا شرف الدین صاحب اور اس خاندان میں محبت ومودت اور اخوت کا رشتہ بھی آج تک استوار ہے۔

ابتدائے مرض اور سانحہ رحلت: مولانا ظفر صاحب کا کئی برس قبل جگر کا آپریشن ہو کر پتا کاٹ پھینکا گیا تھا اور صحت قابل رشک تھی۔ پھر نہیں معلوم کب کینسر آپ کے معدے پر حملہ کر چکا تھا۔ علاج معالجہ کی سہولیات دور اور مہنگی اور وسائل معاش محدود ہونے کے باعث بروقت پتہ بھی نہ چل سکا۔ اس جان لیوا مرض کا ڈیڑھ سال قبل علم ہو گیا۔ راولپنڈی ہسپتالوں میں مبلغ ستر، ستر ہزار روپے کے کئی تکلیف دہ ٹیکے لگوائے گئے۔ ہر دفعہ آپ کے سر اور داڑھی کے بال جھڑ جاتے۔ جو کچھ عرصہ بعد پھر اگتے اور آپ تندرست نظر آنے لگتے۔ لوگوں کو امید بندھی کہ فضل الٰہی کے بعد جدید دور کی ٹیکنالوجیوں کی بدولت آپ بچ گئے ہیں۔ ڈاکٹروں نے مقدور بھر کوشش کی، نئی زندگی ملنے کی نوید بھی سنائی۔ لیکن یہ سب کوششیں نوشتہ تقدیر کو ٹال نہ سکیں۔ آخری بار سی ایم ایچ راولپنڈی سے ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہم ناکام ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ کو واپس لایا گیا اور روز بروز کمزور ہوتے گئے۔ اس دوران دوست احباب کے ساتھ گپ شپ لگانے، چلنے پھرنے اور مسجد جانے میں کوئی زیادہ فرق نہ آیا۔ اس